فقہِ حنفی میں قبولِ حدیث کے شرائط اور استنباطِ احکام پر ان کے اثرات

تاج الدین ازہری ☆

حدیثِ نبوی اسلامی فقہ کا دوسرا ماخذ ہے۔ یہ قرآن کریم کے بعد دوسرے درجہ پر ہے کیونکہ قرآن کریم شریعت کا اصل الاصول ہے۔ قرآن پاک سے پتہ چلتا ہے کہ حدیث نبوی بھی شریعت کے مصادر میں سے ایک عظیم مصدر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس ضمن میں قرآن کریم کی درج ذیل آیات ہماری رہنمائی کرتی ہیں:

۱- قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَاۨ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْىٖ وَ يُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ(۱).

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دو کہ میں تم سب کی طرف خدا کا بھیجا ہوا رسول ہوں، وہ جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی زندگی بخشتا ہے اور موت دیتا ہے۔ تو خدا پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور ان کی پیروی کرو تا کہ ہدایت پاؤ۔

۲- وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ(۲).

ہم نے تم پر یہ کتاب نازل کی ہے تا کہ جو ارشادات لوگوں پر نازل ہوئے ہیں ان پر ظاہر (بیان) کر دو تا کہ وہ غور کریں۔

۳- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ اَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ(۳).

اے ایمان والو خدا اور اس کے رسول کے حکم پر چلو اور اس سے روگردانی نہ کرو اور تم سنتے رہو۔

۴- وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا(۴)

کسی مؤمن مرد اور کسی مؤمن عورت کو حق نہیں کہ جب خدا اور اس کا رسول کوئی امر مقرر کر دیں تو اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں۔

۵- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِىْ شَىْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا(۵)

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر، کلیہ الدراسات الاسلامیہ، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

اے ایمان والو! خدااور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرواور جوتم میں سے ''اولی الامر'' ہیں ان کی بھی اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہوتو اگر خدااور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہوتو اس میں خدااور اس کے رسول کے حکم کی طرف رجوع کرو۔ یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے۔

امام ابن القیم کا کہنا ہے کہ لوگوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ کی طرف رجوع دراصل اس کی کتاب کی طرف رجوع کرنا ہے اور رسول کی طرف رجوع دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی سنت کی طرف رجوع کرنا ہے (۶)۔ امام ابن القیم کے اس قول کی تائید رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین سے بھی ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

امرت امتی ان یا خذوا بقولی ویطیعوا امری ویتبعوا سنتی فمن رضی بقولی فقد رضی بالقرآن (۷)

میری امت کو حکم دیا گیا ہے کہ میری باتوں کو مضبوطی سے تھام لے، میرے حکموں کی تعمیل کرے اور میری سنت کا اتباع کرے۔ پس جو شخص میری بات سے راضی ہو گیا گویا وہ قرآن سے راضی ہو گیا۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین اپنی تمام عبادات اور معاملات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا پورا اتباع کرتے تھے اور اسی کا دوسروں کو حکم دیتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں قاضی شریح کو جو خط لکھا تھا اس میں انہیں لکھا تھا: ''اگر آپ کو اللہ کی کتاب میں کوئی فیصلہ مل جائے تو اس کے مطابق فیصلہ دیجیے اور کسی دوسری چیز کا رخ نہ کیجیے اور اگر آپ کو کوئی ایسا مسئلہ پیش آجائے جس کا حکم قرآن کریم میں نہ ملے تو اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق فیصلہ دیجیے (۸)۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ جب تم سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جائے تو پہلے اللہ کی کتاب میں دیکھو، اگر اللہ کی کتاب میں نہ ملے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں دیکھو اور اگر وہ اللہ کے رسول کی سنت میں بھی نہ ملے تو جس پر سب لوگ اتفاق کریں اس کے مطابق فیصلہ دو (۹)۔ صحابہ کرامؓ کی طرح تابعین کرامؒ اور ائمہ مجتہدین بھی ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کو مقدّم رکھتے تھے۔ ان کی اتباع میں اپنی دنیوی اور اخروی سعادت سمجھتے تھے اور اپنے تلامذہ کو اس کی تلقین کرتے تھے۔ امام ابوحنیفہؒ فرمایا کرتے تھے:

ایاکم والقول فی دین اللہ بالرای وعلیکم باتباع السنة فمن خرج منھا ضل (۱۰)۔

تم اللہ کے دین کے بارے میں رائے سے کوئی بات کہنے سے پرہیز کرو اور سنت کا اتباع کرو اس لیے کہ جو اس سے نکلا گمراہ ہو گیا۔

ایک دفعہ کوفہ کا ایک شخص آپؒ کی مجلس میں آیا۔ اس نے دیکھا کہ حدیث پڑھی جا رہی ہے، کہنے لگا ان

احادیث کو رہنے دو ان کی ہمیں ضرورت نہیں۔ آپؒ نے اسے سختی سے ڈانٹا اور فرمایا:

اگر سنت نہ ہوتی تو کوئی شخص قران کو نہ سمجھ پاتا (۱۱)۔

امام ابوحنیفہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے:

لاینبغی لاحد ان یقول قولا حتی یعلم ان شریعة رسول الله تقبله (۱۲)

کس کے لیے کوئی بات کہنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ وہ یہ نہ جان لے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اسے قبول کرتی ہے یا نہیں؟

امام مالک کا یہ قول تو بہت ہی مشہور ہے:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ ہر شخص کی بات لی جاسکتی ہے اور چھوڑی بھی جاسکتی ہے لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات چھوڑی نہیں جاسکتی (۱۳)۔

اسی طرح امام حاکمؒ اور بیہقیؒ نے امام شافعیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آپ کہا کرتے تھے:

اذاصح الحدیث فھو مذھبی

جب حدیث صحیح قرار پاجائے تو یہی میرا مذہب ہے

امام ابن حزمؒ اس کی تشریح کرتے ہیں کہ ''جب وہ [حدیث] ان کے نزدیک یا کسی اور امام کے نزدیک صحیح قرار پاجائے'' (۱۴)۔

امام احمدؒ ائمہ اربعہ میں سے سب سے زیادہ احادیث کو جمع کرنے اور ان پر سختی سے عمل کرنے والے تھے۔ آپ کا قول ہے:

جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو رد کیا وہ ہلاکت کے کنارے پر ہے (۱۵)

اصحابِ رسول رضوان اللہ عنہم اجمعین اور ائمہ کرام رحمہ اللہ علیہم کے ان اقوال کو سامنے رکھتے ہوئے اگر ہم اسلامی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہمیں کوئی ایسا امام نہیں ملتا کہ جو سنت کو سنت سمجھتے ہوئے اس پر عمل سے انکار کردے، اسے حجت نہ مانے بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ائمہ کرام سنت کے مطابق چلتے ہیں، دوسروں کو اس کے مطابق عمل کی ترغیب دیتے ہیں، اس کی مخالفت سے ڈراتے ہیں اور اگر کوئی انکار کرے یا اس کی شان کو گھٹائے تو اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ ائمہ کرام کے ہاں سنت کا یہ مرتبہ ومقام دیکھ کر امام ابن تیمیہ کو کہنا پڑا:

ولیعلم لیس احدٌ من الائمة المقبولین عندالامة قبولاً عاماً یتعمد مخالفة رسول الله فی شئ من سنته دقیق ولاجلیل، کانھم متفقون اتفاقاً یقیناً علی وجوب اتباع الرسول وعلی ان کل احدمن الناس یوخذ من قوله ویترك الارسول الله صلی الله علیه وسلم، ولکن اذا وجد لواحد منھم قول قد جاء

حديث صحيح بخلافه فلابد ان يكون له من عذر في تركه (١٦)۔

آپ کوعلم ہونا چاہیے کہ ان ائمہ کرام میں سے جنہیں امت کے ہاں قبول عام حاصل ہوا ہے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جو جان بوجھ کر رسول اللہ کی کسی چھوٹی یا بڑی سنت کی مخالفت کرے، کیونکہ ان سب کا اتباع رسول کے واجب ہونے پر مکمل اتفاق ہے اور اس بات پر بھی کہ سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر شخص کی بات لی بھی جاسکتی ہے اور چھوڑی بھی جاسکتی ہے۔ اب ان ائمہ کرام میں سے کسی کے قول کے خلاف صحیح حدیث آجائے تو ضرور اس امام کے ہاں اس حدیث کو ترک کرنے میں کوئی عذر ہوگا۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ ائمہ کے حدیث رسول کو ترک کرنے کے تمام اعذار تین قسموں پر مشتمل ہیں:

۱- امام اس بات کا قائل ہی نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہوگی۔

۲- وہ اس بات کا قائل نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد سے یہ مسئلہ مراد لیا ہوگا۔

۳- اس کا خیال ہے کہ یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے (۱۷)۔

امام ابن تیمیہؒ نے امت پر یہ واضح کر دیا ہے کہ ائمہ مجتہدین میں کسی نے کبھی جان بوجھ کر حدیثِ رسول کو ترک کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ہاں حدیثِ رسول کے قبول نہ کرنے میں ان کے اپنے اعذار ہیں۔ ان کے یہ اعذار اسی طرح ہیں جس طرح محدثین کے ہاں ان کی شروط ہیں۔ ہر محدث احادیثِ رسول کو اپنی قائم کردہ شروط پر لیتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ امام بخاریؒ کی شروط امام مسلمؒ کی شروط سے مختلف ہیں۔ امام بخاریؒ راوی کی معاصرت (زمانے) کے ساتھ اس کی مروی عنہ سے ملاقات کو بھی ضروری سمجھتے ہیں اور اس کے برعکس امام مسلمؒ صرف معاصرت پر اکتفا کو کافی سمجھتے ہیں (۱۸) اسی طرح ابن حبانؒ جمہور محدثین کے خلاف مجہول راوی کی روایت کو نہ صرف کہ قبول کرتے ہیں بلکہ اسے حجت مانتے ہیں بشرطیکہ اس سے روایت کرنے والا اور جس سے اس نے روایت کی ہے ثقہ ہوں اور حدیث منکر نہ ہو۔ جس طرح محدثین کی قبولِ حدیث کی شروط ایک دوسرے سے مختلف ہیں اسی طرح ائمہ مجتہدین میں سے ہر ایک کی قبولِ حدیث کے لیے اپنی شرائط ہیں۔ مولانا ظفر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

فكل مذهب جاء باصوله و فروعه ولم يشترك في بعض دون بعض (١٩)

پھر ہر مذہب کے اپنے اصول وفروع آگئے جن میں کچھ دوسروں کے ساتھ مشترک تھے اور کچھ دوسروں سے مختلف۔

فقہ حنفی دنیائے اسلام کی مشہور و معروف فقہ ہے۔ اس کے بانی امام ابو حنیفہؒ کا حُجیتِ حدیث سے متعلق قول اس سے پہلے گزر چکا ہے۔ امام صاحب ۸۰ھ میں پیدا ہوئے کوفہ کو حضرت عمرؓ نے ۱۷ھ میں بسایا تھا، چنانچہ حرمین شریفین کے بعد جن شہروں میں صحابہ کرامؓ کا زیادہ ورود ہوا کوفہ ان میں سے ایک تھا۔ قتادہ کا قول ہے کہ کوفہ

میں ڈیڑھ ہزار صحابہ رضوان اللہ عنہم اجمعین نے ورود فرمایا جن میں چوبیس بدری صحابہ تھے (۲۰)۔ ابورامہرمزیؒ نے ابن سیرینؒ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا میں جب کوفہ آیا تو میں نے دیکھا کہ یہاں حدیثِ رسول کے چار ہزار طالب علم ہیں (۲۱) کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تو حضرت عمرؓ کے حکم سے اہلِ کوفہ کی تعلیم و تربیت کے لیے یہاں تشریف لائے تھے اور حضرت عثمانؓ کے آخری دور تک یہ خدمت سرانجام دیتے رہے۔ انہی کی اس محنت کو دیکھ کر حضرت علیؓ خوش ہوئے تھے اور فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ابن ام عبد پر رحم فرمائے انہوں نے اس شہر کو علم سے بھر دیا (۲۲)۔ علم سے معمور اس شہر میں امام صاحب نے پرورش پائی۔ اس زمانے میں یہ شہر بڑے بڑے محدثین کا مرکز تھا۔ آپ نے ان سے کسب فیض کیا۔ آپ کے مشائخ کی تعداد چار لاکھ بتائی جاتی ہے (۲۳)۔ ایک دفعہ ایک مجلس میں عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور نے امام صاحب سے پوچھا کہ انہوں نے علم کن اساتذہ سے حاصل کیا ہے تو امام صاحب نے جواب دیا کہ میں نے اصحابِ علیؓ، اصحابِ عبداللہ بن مسعودؓ اور اصحابِ عبداللہ بن عباسؓ سے علم حاصل کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ابن عباسؓ اپنے وقت میں سب سے بڑے عالم تھے (۲۴)۔ اس طرح ان بزرگوں سے امام صاحب نے علمِ حدیث کا ایک ذخیرہ جمع کر لیا ہوگا۔ اسی لیے ابن حجر مکی کو یہ لکھنا پڑا کہ امام صاحب پر قلتِ حدیث کا الزام جن لوگوں نے عائد کیا ہے وہ ان کے تساہل کی وجہ سے ہے یا حسد کی وجہ سے، کیونکہ اگر امام ایسے ہی تھے تو انہوں نے استنباط مسائل کا کام کیسے کیا؟ ان کے استنباطِ کردہ مسائل کی تعداد بھی بہت بڑی ہے۔ ان کا علم حدیث ان کے فقہی مسائل میں مشغولیت کی وجہ سے ظاہر نہ ہو سکا جس طرح حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا علمِ حدیث خلافت میں مشغولیت کی وجہ سے ظاہر نہ ہو سکا اور ان کی روایات تھوڑی ہیں (۲۵)۔

کوفہ نہ صرف کہ محدثین کا مسکن تھا بلکہ تابعین اور تبع تابعین کے دور میں سرزمین عراق مختلف فرقوں اور مذاہب کا اکھاڑہ بنی ہوئی تھی۔ وہاں شیعہ اور خوارج اپنے تمام فرقوں سمیت بستے تھے۔ مرجۂ، جہمیہ اور قدریہ بھی وہاں سکونت پذیر تھے۔ ظاہر ہے ان فرقوں کو اپنے مخصوص عقائد کی تائید کے لیے حدیثِ نبوی میں دروغ گوئی سے بھی دریغ نہ تھا۔ فقہائے عراق کی آنکھوں کے سامنے یہ سب کچھ ہو رہا تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہدف کذب وافتراء بنی ہوئی تھی۔ حدیثِ نبوی کو دروغ گوئی سے بچانے کی خاطر ان میں شک کی روح پیدا ہوئی اور وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہوئے کہ دین متین میں وثوق وحفاظت کا یہ تقاضا ہے کہ صرف انہی لوگوں کی روایت قبول کی جائے جن کی زندگی کے نشیب وفراز سے انہیں پوری واقفیت ہے (۲۶) اسی غرض سے

انہوں نے قبولِ حدیث کے کچھ اصول وضوابط مقرر کیے۔انہی ضوابط کے بارے میں شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:

''اکثر لوگ اس زعم کا شکار ہیں کہ ابوحنیفہؒ اور شافعیؒ کا اختلاف بزدوی وغیرہ کی کتابوں میں ذکر کردہ اصولوں پر مبنی ہے لیکن حق یہ ہے کہ اصول زیادہ تر ان کے ائمہ کے اقوال سے متخرج ہیں (۲۷)۔

مصر کے نامور عالم دین محمد ابوزھرہ بھی اسی چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''امام ابوحسن کرخی، امام دبوسی کے دونوں رسالوں اور فخر الاسلام بزدوی کی کتاب میں جو اصول جامعہ موجود ہیں، خواہ وہ فروعی احکام سے متعلق ہوں یا فقہ حنفی کے طریق استنباط سے، حضرت امام یا ان کے رفقاء کسی سے بھی مروی نہیں بلکہ ان بانیانِ مذہب حنفی کے ان فروعات سے مستنبط ہیں جو ان سے ماثور ومنقول ہیں (۲۸)۔

فقہ حنفی کی مختلف کتابوں میں محدثین اور علماء اصول نے احادیث کو تین قسموں میں تقسیم کیا ہے:

۱- احادیثِ متواترہ، ۲-احادیثِ مشہورہ، ۳-احادیثِ احاد

حدیث متواتر

حافظ ابن حجر نے متواتر کی یہ تعریف بیان کی ہے: وہ حدیث ۱: حدیث کے رواۃ کی تعداد کثیر ہو۔۲: یہ کثرت ابتدا سے انتہا تک یکساں ہو۔ یکساں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کسی زمانے میں بھی مطلوبہ تعدادِ رواۃ میں کمی نہ آئے، نہ یہ کہ یہ تعداد بڑھے نہیں کیونکہ کثرتِ رواۃ تو خبرِ متواتر میں بطریق اولی مطلوب ہے۔۳: جھوٹ پر اتفاق محال ہو۔۴: خبر متواتر کا تعلق مشاہدہ یا سامع کی حس کے ساتھ ہو (۲۹)۔

احناف کے مشہور اصولی فخر الاسلام بزدوی بھی حدیثِ متواتر کی اسی سے ملتی جلتی تعریف کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے:

متواتر ان احادیث کو کہتے ہیں جن کے راوی لاتعداد ہوں، ان کی کثرت وعدالت اور مرتبہ ومقام کی بنا پر اس وہم کی گنجائش نہ ہو کہ یہ جھوٹ پر متفق ہو گئے ہوں گے۔ یہ اجماع ہر زمانہ میں موجود رہے اور اس کا آخر اور اوسط شہرت کے اعتبار سے جانبین سے کم نہ ہو جیسے قرآن متواتر نقل ہوتے ہوئے ہم تک پہنچا ہے، پانچ نمازیں، تعدادِ رکعات، مقادیر زکاۃ اور ان کے نظائر واشباہ (۳۰)۔

خبر متواتر سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے، ایسا یقینی علم کہ انسان قطعی طور پر اس کی تصدیق کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔جس طرح کوئی شخص کسی واقعہ کا بذاتِ خود مشاہدہ کرے تو وہ اس کی تصدیق کرنے میں ہرگز تردّد نہیں کر سکتا (۳۱)۔

اکثر علماء کے نزدیک حدیث متواتر سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے، حافظ ابن حجرؒ بھی اس کی تائید کرتے

ہوئے لکھتے ہیں:

معتبر قول ہے کہ خبر متواتر مفیدِ علم یقینی ہے اور علمِ یقینی وہ ہے جس کے تسلیم کرنے پر انسان ہر طرح سے مجبور ہو جاتا ہے اور اس کا انکار کرنا ناممکن ہوتا ہے (۳۲)۔

احادیث متواترہ بلاشبہ امام ابوحنیفہؒ کے ہاں قابل حجت ہیں اور یہ کیسے نہ ہو، خود علماء احناف نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے:

ان الخبر المتواتر يفيد و يوجب علم اليقين عند اكثر الائمة فيكفر جاحده وقال الاحناف بكفره و اكثر الائمة معهم فى هذا (۳۳)

اکثر علماء کے نزدیک خبر متواتر نہ صرف کہ علم یقین کا فائدہ دیتی ہے بلکہ اسے واجب کرتی ہے، اس کے انکار سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔ احناف نے بھی انکار کرنے والے کو کافر قرار دیا ہے اور اس ضمن میں ان کے ساتھ علماء کی اکثریت ہے۔ اس حکم کے بارے میں الکوکب المنیر کے شارح یوں رقم طراز ہیں:

الفرق بين الخبر المتواتر و الخبر المشهور ان جاحد الخبر المتواتر كافر باتفاق و جاحد الخبر المشهور مختلف فيه (۳۴)

خبر متواتر اور خبر مشہور کا فرق یہی ہے کہ خبر متواتر کا انکار کرنے والا باتفاق علماء کافر ہے جبکہ خبر مشہور کا انکار کرنے والے کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے۔

حدیث مشہور

محدثین کے ہاں مشہور اس حدیث کو کہتے ہیں ''جس کی سند یعنی سلسلۂ روایت کے ہر طبقہ میں تین یا تین سے زائد راوی ہوں بشرطیکہ تین سے زائد کی تعداد حدِ تواتر کو نہ پہنچے'' (۳۵)۔

احناف کے ہاں اس کی تعریف یہ ہے ''وہ اپنی اصل کے اعتبار سے خبر احاد ہی ہو لیکن پھر اتنی پھیل جائے کہ اسے اتنے لوگوں نے نقل کیا ہو، جن کے جھوٹ بولنے پر اتفاق کا گمان نہ ہو سکے اور ان سے مراد صحابہؓ و تابعینؒ کے بعد دوسری صدی تک کے لوگ ہیں'' (۳۶)۔ مولانا ظفر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

''مشہور کا اطلاق ان روایات پر بھی ہوتا ہے جو مطلق طور پر لوگوں کی زبان پر شہرت پا گئی ہوں چاہے ان کی کوئی سند بھی نہ ہو'' (۳۷)۔

حدیثِ مشہور کے حکم میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے:

۱۔ فقہاء کی ایک جماعت کے نزدیک احادیثِ مشہورہ اخبارِ احاد کی طرح مفیدِ ظن ہیں۔ عمل کے لیے تو کافی

ہیں مگران سے علم یقینی حاصل نہیں ہوتا۔

۲- فقۂ حنفی کے بعض علمائے تخریج کے خیال میں مشہوراحادیث بھی احادیثِ متواترہ کی طرح ہیں اوران سے علمِ یقینی حاصل ہوتا ہے مگر یہ علم بطریق استدلال ہے، مشاہدہ کی طرح ضروری علم نہیں۔

۳- فقۂ حنفی کے بعض مخرجین کی رائے میں ان احادیث سے اطمینان حاصل ہوتا ہے، یقین نہیں۔ پس احادیث مشہورہ متواترہ سے کم اور خبر واحد پر فائق ہیں اوران سے کتاب اللہ پر اضافہ جائز ہے(۳۸)۔

علامہ تفتازانی اسے اپنے الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں:

المتواتر لاشبهة فی اتصاله والمشهور فی اتصاله شبهة لكونه احاد الاصل۔ ان الحديث المشهور يفيد العلم عندابی حنيفة و ان كان العلم الذی يفيده دون العلم بالخبر المتواتر، وهو يخالف احاديث الاحاد الذی لايفيد الا الظن (۳۹)۔

متواتر کے اتصال میں کبھی شبہ نہیں ہوتا جبکہ مشہور کے اتصال میں شبہ ہے کیونکہ وہ اصل میں خبر واحد ہے۔مشہور حدیث امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یقین کا فائدہ دیتی ہے۔اگر چہ اس سے حاصل شدہ یقین خبرِ متواتر سے حاصل ہونے والے یقین سے کم ہے لیکن وہ خبرِ واحد سے زیادہ ہے کیونکہ وہ توصرف ظن کا فائدہ دیتی ہے۔

ان عبارات سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ فقہِ حنفی فقہاء بات پر متفق ہیں کہ مشہور کا درجہ اخبارِ احاد سے قوی ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ مفیدِ یقین ہونے میں اس کا درجہ متواتر کے برابر ہے یا نہیں تاہم اس کے قابل استدلال وحجت ہونے پر سب متفق ہیں۔

اخبارِ احاد

محدثین کی اصطلاح میں خبر واحد وہ خبر ہے جو متواتر کی شرطوں پر پوری نہ اترے۔اس سے علم نظری حاصل ہوتا ہے یعنی ایسا علم جو غوروفکر اور استدلال پر موقوف ہوتا ہے(۴۰)۔علماء احناف کے ہاں اس کی تعریف کچھ یوں ہے:

اماخبر الاحاد وهو كل خبر يرويه الواحد اوالاثنان فصاعدا فلا عبرة للعددفيه بعد ان يكون دون المشهور والمتواتر وهذا يوجب العمل دون العلم يقيناً لانه عندهم ظنی الثبوت (۴۱)۔

خبر واحد ہر وہ خبر ہے جسے ایک یا دو یا اس سے زیادہ راوی روایت کریں، ان کی تعداد کی کوئی اہمیت نہیں بشرطیکہ یہ مشہور اور متواتر کو نہ پہنچے۔یہ علم یقینی کی بجائے عمل کا فائدہ دیتی ہے کیونکہ اس سے حاصل ہونے والا علم ظنی ہے۔

علامہ سرخسیؒ لکھتے ہیں:

قال ابو حنيفة وجميع فقهاء الامصار - خبر الواحد العدل الثقة حجة العمل به فی احكام الدين ولكن

لایثبت بہ علم الیقین لانہ ثبت بطریق الظنی لاقطعی وخالف فی ھذا المحدثون فقالوا یوجب علم الیقین (۴۲)

ابو حنیفہ اور دیگر فقہاء امصار کا کہنا ہے کہ خبر واحد جو عادل اور ثقہ سے مروی ہو وہ دینی احکام پر عمل کے لیے حجّت ہے لیکن اس سے علم یقینی حاصل نہیں ہوتا کیونکہ اس کا ثبوت بطریق ظنی ہے قطعی نہیں۔ محدثین نے اس میں ان کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ اس سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے۔ صاحب کشف الاسرار لکھتے ہیں:

اخبار احاد کے اتصال میں صورۃً ومعنیً شعبہ کی گنجائش ہے صورۃً اشتباہ کے پائے جانے کا ثبوت یہ ہے کہ ان کا آپ تک پہنچنا بطورِ قطعیت ثابت نہیں اور معنیً یوں شبہ ہے کہ انہیں امت میں قبول عام حاصل نہیں ہوا۔ اخبار احاد میں تعدد رواۃ معتبر نہیں یعنی ان کے راوی اگر چہ زیادہ ہوں مگر تواتر یا شہرت کے درجہ تک نہ پہنچیں تو ایسی احادیث کو احاد ہی کہیں گے (۴۳)۔

احادیثِ احاد میں اسی شبہ کے پائے جانے کی وجہ سے اجتہاد کے دور میں بعض لوگ ان کو قابل حجّت نہیں سمجھتے تھے کیونکہ ان دنوں روایتِ حدیث میں دروغ گوئی کا چرچا عام تھا اور احادیث صحیحہ اور غیر صحیحہ آپس میں مخلوط ہو چکی تھیں۔ اسی قبیل کے لوگوں سے امام شافعیؒ نے بصرہ میں مناظرہ کیا تھا جو ان دنوں معتزلہ کا گہوارہ تھا۔ وہاں متباین فرقے سکونت پذیر تھے۔ یہ ذہنیت امام شافعیؒ سے پہلے امام ابو حنیفہؒ کے زمانے میں بھی پائی جاتی تھی بلکہ ان کے زمانے میں حدیثِ نبوی میں دروغ گوئی، اضطرابِ اقوال اور صحیح اور غیر صحیح احادیث میں اختلاط زیادہ شدید تھا کیونکہ اس وقت تک حدیث کی نقد و جرح کے قواعد وضع نہیں ہوئے تھے (۴۴)۔

فقہاء احناف جملہ محدثین وفقہاء کی طرح راوی میں عدالت اور ضبط کی شرط ضروری قرار دیتے ہیں لیکن اس کی تفسیر میں انہوں نے دوسروں کی نسبت شدت سے کام لیا ہے۔ فخر الاسلام بزدوی ضبط کی تشریح اس طرح کرتے ہیں:

ضبط کا مفہوم یہ ہے کہ کلام ایسے طریقے سے سنا جائے جیسے سننے کا حق ہے پھر اس کے معنی مراد کو سمجھا جائے۔ امکانی جدوجہد سے اسے یاد کیا جائے۔ پھر اس کی حدود کی حفاظت کرکے اس کی پابندی کی جائے اور اسے ادا کرتے وقت (یعنی دوسرے شخص تک روایت پہنچاتے وقت) تک اس کے مذاکرات کا اہتمام کرتے رہنا چاہیے مبادا کہ وہ ذہن سے اتر جائے...... اور وہ دو قسم پر ہے ایک متن کو معہ صیغہ ومعنی ضبط کرلینا اور دوسرا یہ کہ لغوی معنی کے ساتھ ساتھ اس کا شرعی اور فقہی مفہوم بھی ضبط کرلیا جائے، یہ مکمل ضبط ہے۔ جب مطلقاً ضبط کا ذکر کیا جائے گا تو اس سے یہی قسم مراد ہوگی۔ چنانچہ جس شخص میں شدید غفلت پائی جائے خواہ اس کی یہ غفلت شعاری پیدائشی ہو یا چشم پوشی یا اغماض کا نتیجہ ہو اس کی خبر حجّت قرار نہیں دی جائے گی کیونکہ اس میں ضبط کی قسمِ اول مفقود ہے (۴۵)۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ ضبط کا مفہوم احناف کے ہاں بڑا دقیق ہے اس لیے انہوں نے خبر واحد کے قبول کے لیے درج ذیل شرائط عائد کر دی ہیں:

۱- خبر واحد کتاب اللہ کے عموم کے موافق ہو۔

۲- خبر واحد کسی ایسے اصول کے خلاف نہ ہو جس پر عمل میں لوگوں کا اتفاق ہو۔

۳- اس کے ذریعے قرآن کریم پر کوئی زیادتی نہ ہوتی ہو کیونکہ نص پر زیادتی نسخ ہے۔

۴- خبر واحد عام کو خاص اور کسی مطلق کو مقید نہ کرتی ہو کیونکہ یہ بھی نسخ کے ضمن میں ہے[۴۶]۔

۵- خبر واحد سنت مشہورہ کے بھی خلاف نہ ہو[۴۷]۔

۶- راوی کا عمل اس کی روایت کے خلاف نہ ہو[۴۸]۔

۷- راوی غیر فقیہ نہ ہو[۴۹]۔

۸- خبر واحد کو اس وقت قبول نہ کیا جائے جب اس کا تعلق بلوائے عامہ سے ہو[۵۰]۔

حدیثِ ضعیف

اصولِ حدیث کی اصطلاح میں ضعیف ہر اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں حَسَن کی ضروری شرائط میں سے کوئی ایک شرط نہ ہو[۵۱]۔ ضعیف حدیث پر عمل کے لیے محدثین کے ہاں اختلاف ہے۔ جمہور علماء کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ فضائلِ اعمال کی صورت میں ان پر عمل پیرا ہونا مستحب ہے[۵۲]۔ فقہاء احناف بھی ضعیف حدیث کو فضائل اعمال میں درست خیال کرتے ہیں۔ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:

الضعیف یعمل به فی فضائل الاعمال اتفاقاً و لذلك قال ائمتنا ان مسح الرقبة مستحب (۵۳)۔

ضعیف حدیث پر فضائلِ اعمال میں عمل بالاتفاق درست ہے۔ اسی لیے ہمارے ائمہ نے گردن کے مسح کو مستحب کہا ہے۔

مشہور حنفی فقیہ ابن الہمام نے بھی یہی لکھا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ

الاستحباب یثبت بالضعیف دون الموضوع[۵۴]۔

استحباب ضعیف حدیث سے ثابت ہو جاتا ہے مگر موضوع سے نہیں۔

فقہائے احناف کے ہاں تو ضعیف حدیث رائے اور قیاس سے بہتر ہے۔ مولانا ظفر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

قال ابن حزم: جمیع الحنفیة مجمعون علی ان مذهب ابی حنیفة ملحدیث الضعیف عنده اولی من

الرای (۵۵)۔

ابن حزم کا کہنا ہے کہ احناف کا اس پر اجماع ہے کہ ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف حدیث رائے اور قیاس سے بہتر ہے۔

حدیثِ مرسل

امام ابوعبداللہ الحاکم نیشاپوری کا کہنا ہے:

مرسل حدیث وہ حدیث ہے جسے محدث تابعی تک متصل سند کے ساتھ بیان کرے پھر تابعی کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا (۵۶)۔ ابن الصلاح نے بھی حاکم کی تائید میں مرسل کی یہی تعریف کی ہے (۵۷)۔

علماء احناف کی تعریف بھی اس سے ملتی جلتی ہے۔ امید صنعانی لکھتے ہیں:

ان المرسل هو ماقال غير الصحابى: " قال رسول الله صلى الله عليه وسلم"۔ وبهذا التعريف قال ابن الحاجب ومن قبله الآمدى (۵۸)۔

مرسل یہ ہے کہ غیر صحابی کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا۔ مرسل کی یہی تعریف ابن حاجب اور ان سے پہلے آمدی نے بھی کی ہے۔

مرسل کی تین قسمیں ہیں:

۱- مرسل صحابی: یہ وہ مرسل ہے جس کی خبر صحابی نے دی ہو کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے لیکن اس نے خود نہ سنا ہو اور نہ مشاہدہ کیا ہو۔

۲- کبار تابعین کی مُرسل جیسے سعید بن المسیب بن المسیب وغیرہ۔

۳- صغار تابعین کی مرسل جیسے ابن شہاب زہری اور سفیان ثوری وغیرہ۔

مرسل صحابی کے بارے میں تو جمہور علماء کی رائے ہے کہ وہ قابل حجت ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کا کہنا ہے کہ صحیح رائے یہ ہے کہ صحابی کی مرسل کے قبول پر اجماع ہے البتہ دوسری اور تیسری صدی کی مراسیل (یعنی کبار تابعین اور صغار تابعین دونوں کی مراسیل) احناف اور مالکیہ کے ہاں قابل قبول ہیں (۵۹)۔ ان کے قبول کرنے کی دلیل یہ ہے کہ تابعین میں جھوٹ تو بہت دور کی بات ہے ضعیف کا احتمال بھی کم ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تابعین کے زمانے کی تعریف یوں فرمائی ہے:

خير القرون قرنى ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم (۶۰)

سب سے بہتر زمانہ میرا ہے، پھر جو میرے بعد آئیں اور جو ان کے بعد آئیں گے۔

اگر معلوم ہو جائے کہ راوی ہمیشہ غیر ثقہ راوی سے ارسال کرتا ہے تو اس کی مرسل ہرگز قبول نہیں کی جائے

گی لیکن تیسری صدی کے بعد اگر مرسل کسی امام کا قول ہو تو یہ قابل قبول ہوگا۔ یہ رائے عیسی بن ابان، ابوبکر رازی، بزدوی اور متاخرین احناف میں سے اکثر کی ہے۔ قاضی عبدالوہاب مالکی کا کہنا ہے کہ میرے مذہب سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے (۶۱)۔ مشہور مصنف محمد ابوزمرہ لکھتے ہیں:

حنفیہ کا قول ہے کہ صحابی، تابعی اور تبع تابعی کا ارسال قابل قبول ہوگا' بعد کے لوگوں کا نہیں (۶۲)۔

ان اصولوں کا فروعات پر اثر

۱- دیگر مذاہب کے مقابلے میں فقہاء احناف کے ہاں عقیدہ دلیلِ قطعی یعنی قرآن کریم یا تواتر سے ثابت حدیث سے لیا جاتا ہے جس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو۔ احاد ان کے ہاں ظنی الثبوت ہیں اس لیے ان سے عقیدہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

۲- دیگر مذاہب کے مقابلے میں فقہاء احناف مشہور حدیث کے ذریعے کتاب اللہ پر اضافہ جائز سمجھتے ہیں چنانچہ متعدد احکام میں ان کا ماخذ احادیث مشہورہ ہیں جیسے زانی پر حدرجم کی حدیث جو ان کے ہاں مشہور ہے۔ جس میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز مازنی کو سنگسار کروایا۔ اسی طرح موزوں پر مسح بھی ایک مشہور حدیث سے ثابت ہے نیز موزوں میں تتابع (پے در پے کی) شرط بھی ابن مسعود کی ایک مشہور روایت کی بنا پر ہے۔

۳- نماز میں طمانیت اور سکون سے متعلق احادیث پر قرآنی آیت "یاایها الذین آمنوا ارکعوا واسجدوا" (۶۳) کی ظاہری وعمومی دلالت کو ترجیح دیتے ہیں۔

۴- وہ احادیث احاد جن میں صبح کی نماز اوّل وقت ادا کرنے کی تلقین کی گئی ہے ان سب کو انہوں نے ایک دوسری حدیث "اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر" (۶۴) کے تحت نا قابل عمل ٹھہرایا کیونکہ یہ ان کے ہاں مشہور حدیث ہے۔

۵- خبر واحد کے راوی کا عمل اپنی بیان کردہ روایت کے خلاف نہ ہونے کے تحت فقہائے احناف نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول پر ان کے عمل کو ترجیح دی۔ حضرت عائشہؓ کی روایت میں عورت کے نکاح میں ولی کے ضروری ہونے کا ذکر ہے۔ فقہائے احناف کا کہنا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اپنے بھائی عبدالرحمن بن ابی بکر کی بیٹی کا نکاح ان کی اجازت کے بغیر کر دیا تھا۔

۶- خبر واحد کو اس وقت قبول نہ کیا جائے جب اس کا راوی غیر فقیہ ہو۔ اسی وجہ سے فقہائے احناف نے حضرت ابو ہریرۃ کی اسی روایت کو نا قابل عمل ٹھہرایا جس میں منقول ہے کہ "اونٹنیوں اور بکریوں کے تھن نہ

باندھو (یعنی ان کا دودھ دکھانے کے لیے)، اس کے بعد جو انہیں خریدے، اسے دوہنے کے بعد اختیار ہے کہ انہیں پسند کرے تو رکھے ورنہ ایک صاع کھجور دے کر واپس کر دے''۔

۷- خبر واحد کو اس وقت قبول نہ کیا جائے جب اس کا تعلق بلوائے عامہ سے ہو۔ اس کے تحت انہوں نے رفع الیدین کی احادیث اور بغیر رکاوٹ کے شرم گاہ کو ہاتھ لگنے سے وضو کے ضروری ہو جانے کی احادیث پر عمل روک دیا۔

۸- خبر واحد کو اس وقت قبول نہ کیا جائے جب صحابہ و تابعین کے زمانہ میں لوگوں نے ان پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہو۔ اس کے تحت انہوں نے رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع الیدین اور آمین بالجہر کو ترک کر دیا۔ کیونکہ کوفہ اور دوسرے شہروں میں تابعین کے زمانہ میں لوگوں نے ان پر عمل کرنا چھوڑ دیا تھا۔

۹- فضائلِ اعمال میں انہوں نے ضعیف احادیث کو قبول کیا جیسے وضو میں گردن کا مسح کا حکم ایک ضعیف حدیث کی بنیاد پر ہے۔

۱۰- احناف نے مراسیل کو مطلق طور پر قبول کیا اور ان پر احکام کی بنیاد رکھی جیسے نماز میں زیرِ ناف ہاتھ باندھنا مرسل حدیث کی بنیاد پر ہے۔

فقہائے احناف نے اپنے ان اصولوں کی بناء پر جن احادیث کو ناقابل عمل ٹھہرایا ہے، وہ ان کے لیے ایسا کرنے میں معذور تھے کیونکہ ان کے پاس انہی اصولوں کے تحت دیگر روایات موجود تھیں۔ ورنہ کوئی بھی مجتہد حدیثِ رسول کو ترک نہیں کرتا جیسا کہ امام ابن تیمیہؒ کا قول اس ضمن میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ ایسا کرنے میں ضرور اس کے پاس کوئی نہ کوئی عذر رہتا ہے۔

حوالہ جات

۱) القرآن، ۷:۱۵۸۔
۲) القرآن، ۱۶:۴۴۔
۳) القرآن، ۸:۲۰۔
۴) القرآن، ۳۳:۳۶۔
۵) القرآن، ۴:۵۹۔
۶) ابن القیم الجوزیہ، محمد بن ابوبکر شمس الدین، اعلام الموقعین عن رب العالمین (بیروت: دارالجیل، ۱۹۷۳ء)، ج۱، ص۵۴۔
۷) عبدالغنی عبدالخالق، حجیۃ السنۃ (واشنگٹن: المعہد العالمی للفکر الاسلامی، الطبعۃ الاولی، ۱۹۸۶ء)، ص۳۱۰۔
۸) ابن القیم، اعلام الموقعین، ج۱، ص۶۴۔
۹) الدارمی، عبداللہ بن عبدالرحمن ابومحمد، السنن (بیروت: داراحیاء السنۃ النبویۃ، س.ن)، باب الفقہاء، ج۱، ص۵۹۔
۱۰) القاسمی، محمد جمال الدین، قواعد التحدیث (بیروت، داراحیاء السنۃ النبویۃ، الطبعۃ الاولی، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۹م)، ص۵۲۔
۱۱) ایضاً۔
۱۲) ایضاً۔
۱۳) ابن عبدالبر، یوسف بن عبدالبر، جامع بیان العلم و فضلہ (المدینۃ المنورۃ: المکتبۃ السلفیۃ، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۸ء)، ج۲، ص۹۳۔
۱۴) القاسمی، قواعد التحدیث، ص۵۲۔
۱۵) ایضاً، ص۵۳۔
۱۶) ابن تیمیہ، احمد بن عبدالحلیم تقی الدین، رفع الاعلام عن ائمۃ الاعلام (القاہرہ: المطبعۃ السنۃ المحمدیۃ، طبعۃ ۱۳۷۸ھ)، ج۲، ص۹۳۔
۱۷) ایضاً، ص۵۔
۱۸) العسقلانی، احمد بن علی بن حجر، نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر (المدینۃ المنورۃ: المکتبۃ العلمیۃ، س.ن)، ص۲۱۔
۱۹) العثمانی، ظفر احمد، مقدمۃ اعلاء السنن (کراچی: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۳۸۳ھ)، ج۱، ص۱۷۔
۲۰) العراقی، زین الدین عبدالرحمن، فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث (القاہرہ: جمعیۃ النشر والتالیف، طبعۃ ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۷ء)۔
۲۱) الرامھرمزی، الحسن بن عبدالرحمن القاضی، المحدث الفاصل بین الراوی والواعی (تحقیق: محمد عجاج الخطیب) (بیروت، دارالفکر، الطبعۃ الاولی ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱)، ص۴۰۸۔
۲۲) الکاندھلوی، محمد ادریس، مقدمۃ الحدیث، غیر مطبوعہ، ص۳۷۵۔
۲۳) الخوارزمی، محمد بن محمود، جامع مسانید الامام الاعظم (حیدرآباد دکن، دائرۃ المعارف، ۱۳۳۲ھ)، ج۱، ص۲۲۔
۲۴) ایضاً، ج۱، ص۳۱۔

۲۵) المکی، احمد بن حجر ابو العباس، الخیرات الحسان فی مناقب ابی حنیفة النعمان (القاہرہ: المطبعة السعادة، طبعة ۱۳۲۴ھ)، ص ۶۹۔
۲۶) ابوزہرہ محمد، حیات امام ابو حنیفہؒ (مترجمہ: غلام احمد حریری) (فیصل آباد: ملک سنز، س.ن)، ص ۵۱۔
۲۷) شاہ ولی اللہ بن عبد الرحیم الدھلوی، الانصاف فی بیان سبب الاختلاف (دھلی: مطبع مجتبائی، ۱۸۹۱ء)، ص ۸۲۔
۲۸) ابوزہرۃ، حیات امام ابو حنیفہؒ، ص ۴۲۔
۲۹) العسقلانی، نزھة النظر، ص ۲۰، ۲۱۔
۳۰) عبد العزیز بن احمد، کشف الاسرار علی اصول البزدوی (آستانہ: مکتبة الصنائع، ۱۳۰۷ھ)، ج ۲، ص ۶۸۱۔
۳۱) محمود الطحان، تیسیر مصطلح الحدیث (ملتان: مکتبة نشر السنة، س.ن)، ص ۱۹۔
۳۲) العسقلانی، نزھة النظر، ص ۲۱۔
۳۳) صدر الشریعة، عبد اللہ بن مسعود، التوضیح علی التلویح للتفتازانی (مصر: المطبعة الخیریة، ۱۳۰۶ھ)، ج ۲، ص ۵۲۴۔
۳۴) القنوجی، محمد بن احمد، شرح الکوکب المنیر (دمشق، دار الفکر، س.ن)، ج ۲، ص ۳۴۷۔
۳۵) الطحان، تیسیر مصطلح الحدیث، ص ۲۱۔
۳۶) النسفی، عبد اللہ بن احمد، شرح المنار (بیروت، دار الکتب العلمیة، الطبعة الاولی ۱۴۰۶ھ)، ج ۲، ص ۱۱۔
۳۷) العثمانی، مقدمة اعلاء السنن، ج ۱، ص ۲۳۔
۳۸) ابوزہرہ، حیات امام ابو حنیفہؒ، ص ۴۷۳۔
۳۹) عبد اللہ بن احمد، التوضیح علی التلویح، ج ۲، ص ۴۸۱۔
۴۰) الطحان، تیسیر مصطلح الحدیث، ص ۲۲۔
۴۱) البخاری، عبد العزیز احمد، کشف الاسرار، ج ۲، ص ۲۶۰۔
۴۲) ایضاً۔
۴۳) ایضاً، ج ۲، ص ۶۹۰۔
۴۴) ابوزہرہ، حیات امام ابو حنیفہؒ، ص ۴۷۴، ۴۷۵۔
۴۵) البخاری، عبد العزیز احمد، کشف الاسرار، ج ۲، ص ۷۱۶، ۷۱۷۔
۴۶) محمد قاسم، الحارثی، مکانة ابی حنیفة بین المحدثین (کراچی: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیة، الطبعة الاولی، ۱۴۱۳ھ)، ص ۵۶۱۔
۴۷) ایضاً، ص ۶۹۔
۴۸) ایضاً، ص ۷۰۔
۴۹) ایضاً، ص ۷۱۔
۵۰) الطحان، تیسیر مصطلح الحدیث، ص ۶۴۔
۵۱) السیوطی، جلال الدین عبد الرحمن، تدریب الراوی علی تقریب النواوی (القاہرہ: دار الکتب الحدیثة، الطبعة الثانیة، ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۶ء)، ج ۱، ص ۲۹۸۔

۵۳) ملاعلی القاری،الموضوعات (کوئٹہ:المکتبۃ الاسلامیۃ، س.ن)،ص ۷۳۔
۵۴) ایضاً۔
۵۵) العثمانی،مقدمۃ اعلاء السنن، ج۱،ص ۷۱۔
۵۶) النیشاپوری،محمد بن عبداللہ ابوعبداللہ الحاکم،معرفۃ علوم الحدیث (تحقیق:معظم حسین)(القاہرہ:مکتبۃ المثنی، س.ن)،ص ۲۵۔
۵۷) ابن الصلاح،عثمان بن عبدالرحمٰن ابوعمرو،المقدمۃ (المدینۃ المنورۃ:المکتبۃ السلفیۃ،الطبعۃ الاولی، ۱۳۸۹ھ/۱۹۶۹م)،ص ۷۰۔
۵۸) الصنعانی،محمد بن اسماعیل،توضیح الافکار لمعانی تنقیح انظار (القاہرہ:المکتبۃ الخانجی،الطبعۃ الاولی،۱۳۶۶ھ)،ج۱،ص ۲۸۶۔
۵۹) الحنبلی،رضی الدین، قفو الاثر (القاہرہ:مطبعۃ السعادۃ،طبعۃ ۱۳۲۶ھ)،ص ۱۴؛الآمدی،علی بن محمد،الاحکام فی اصول الاحکام (بیروت: دارالکتاب العربی،الطبعۃ الاولی۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء)، ج۲،ص ۳۱۲۔
۶۰) ابن حنبل،احمد بن حنبل الامام،المسند (بیروت:المکتب الاسلامی،الطبعۃ الثانیۃ،۱۳۸۸ھ/۱۹۷۸ء)، ج۱،ص ۳۷۸۔
۶۱) العلائی،صلاح الدین ابوسعید،جامع التحصیل فی احکام المراسیل (بغداد:الدارالعربیۃ للطباعۃ،الطبعۃ الاولی،۱۳۶۶ھ)،ص ۲۷۔
۶۲) ابوزہرہ،حیات امام ابوحنیفہ،ص ۵۱۹۔
۶۳) القرآن،۲۲:۷۷۔
۶۴) السجستانی،سلیمان بن الاشعث ابوداؤد،السنن (بیروت: دارالفکر،س.ن)،کتاب الصلوٰۃ،باب وقت الصبح، ج۱،ص ۱۰۴۔